نہی عن المنکر

(اظہارِ خیال اور استفسار)

تحریر:
محمود مرزا جہلمی
چیف ایڈیٹر ہفت روزہ "صدائے مسلم" جہلم

نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے۔ "جو بڑوں کا ادب نہ کرے، چھوٹوں پر شفقت نہ کرے، برائی کو نہ روکے اور نیکی کا حکم نہ دے وہ ہم میں سے نہیں"۔ پھر یہ فرمایا: برائی کو زور بازو سے روکو، یہ نہ کر سکو تو زبان سے روکو۔ یہ بھی نہ کر سکو تو دل سے اسے برا جانو اور یہ ایمان کی کمزور ترین حالت ہے"۔ قرآن پاک میں کئی مقامات پر مومنین کی یہی صفت آتی ہے کہ وہ منکر کو روکتے ہیں اور معروف کا حکم دیتے ہیں۔ ان احکام کی روشنی میں دیکھیں تو ہر مسلمان اس کام کا پابند ہے۔ مگر صرف امر بالمعروف کا نہیں بلکہ نہی عن المنکر کا بھی مکلّف ہے، اور اگر صرف امر بالمعروف کرے اور نہی عن المنکر سے باز رہے تو بھی وہ اس فریضہ سے کماحقہ سبکدوش نہیں ہو سکتا۔ جس طرح حق کی اشاعت ضروری ہے، اسی طرح باطل کا استیصال کرنا، واجب ہے۔ یہاں تک کہ سب باتیں ہر ادنیٰ و اعلیٰ درجے کے مسلمان کو معلوم ہیں۔ علمائے اسلام کی عمریں اسی کارِ خیر میں گزر گئیں مگر منکر ہے کہ روز بروز بڑھ رہا ہے اور معروف سمٹ رہا ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ منکر کو بزور بازو روکنے کا فریضہ کون سرانجام دے گا جب کہ ریاست خود منکر کو پھیلانے کا کام کرتی ہے۔ کیا ایسے میں اہل اسلام اس بات کے پابند ہیں کہ وہ خود ہی اٹھیں اور زبانی وعظ و تبلیغ سے آگے بڑھ کر منکر کے خلاف ہتھیار اٹھالیں جب کہ منکر کے پیروکار کلمہ پڑھنے والے مسلمان ہیں۔ وہ صدق دل سے کلمہ اسلام کا اقرار کرتے ہیں مگر منکرات اور دیگر ہر قسم کے فسق و فجور میں مبتلا ہیں۔ مثلاً ہم جانتے ہیں فلاں فلاں شخص بدکاری کرتا ہے۔ سود خوری کرتا ہے تو کیا اسلام ہمیں اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ ہم انفرادی طور پر پہلے اسے سمجھائیں اور اگر وہ نہ سمجھے تو اس کے خلاف ہتھیار اٹھالیں اور اسے بدکاری کی سزا کے طور پر رجم کرنے کا ارادہ کرلیں۔ وہ مزاحمت کرے اور گلی کوچے میں جنگ و جدال شروع ہو جائے۔ اصول تدریج کے مطابق علمائے اسلام زبانی کلامی طور پر یہ کام کر رہے ہیں لیکن اس کے اثرات اتنے ہی ہیں کہ وعظ و تبلیغ سے اگر ایک بندہ توبہ کرتا ہے تو اس کے مقابلے میں دس فاسق

آ موجود ہوتے ہیں۔ یہاں یہ فکر سامنے آئی ہے کہ مسلم عوام اقتدار صالحین کے حوالے کریں اور انتخابی سیاست کے ذریعے نیک لوگوں کو برسر اقتدار لائیں جو اس طرح نہی عن المنکر کا اہتمام کریں کہ معروف غالب اور منکر معدوم ہو جائے۔ لیکن 60 سال سے زائد عرصہ گزر گیا یہ خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو پایا اور ہر انتخاب کے نت نئے نعروں کے نتیجے میں برسر اقتدار آنے والی حکومتیں اپنی پیشرو سے بڑھ کر منکر کی دلدادہ ہیں اور حالت یہ ہوگئی کہ ریاستی بندوبست کے تحت میراتھن ریسز (Races) منعقد ہونے لگی ہیں۔ لڑکیاں ہاکی اور کرکٹ کھیلنے بیرون ملک جانے لگی ہیں۔ یہ بات اب نوشتہ دیوار ہے کہ انتخابی سیاست کے ذریعے اگر ایم ایم اے صوبہ سرحد میں اقتدار میں آ گئی تو پشاور کے قحبہ خانے چلتے ہی رہے تھے۔ ہمیں حسبہ بل کے مندرجات کا تو علم نہیں لیکن ایم ایم اے کی صوبائی حکومت اس کی علمبردار تھی۔ یقیناً یہ کوئی اچھا اسلامی مسودہ قانون ہوگا۔ مگر ایم ایم اے کی حکومت اسے نافذ نہ کرا سکی۔ میاں نواز شریف اسلامی بل لائے تو اس کی مخالفت خود اسلامی جماعتوں نے کی۔ ہمیں نہیں معلوم کہ وہ بل کیا تھا مگر دینی جماعتوں نے اس کی مخالفت کی تھی تو ہم سمجھتے ہیں کہ وہ بل خلاف اسلام ہی ہوگا۔

نہی عن المنکر کا عمل ہر مسلمان پر فرض ہے۔ اب وہ بحالات موجودہ یہ فریضہ کیسے سرانجام دے سکتا ہے کہ جس ریاست کا وہ باشندہ ہے، وہ خود بے حیائی پھیلاتی ہے۔ منکر کی ترویج کرتی ہے۔ ملکی قانون کے تحت وہ رائے ونڈ والی تبلیغی جماعت کی طرح معروف کی التجا تو کرسکتا ہے مگر اس کا حکم نہیں دے سکتا۔ اگر حکم دے اور منکر سے روکے تو فاسق و فاجر لوگوں سے لڑائی ہوتی ہے، اور ملکی قانون اسے پکڑ کر حوالہ زنداں کرتا ہے۔ محراب و منبر سے اٹھنے والی آواز مسجد کی دیواروں سے ٹکرا کر واپس آ جاتی ہے۔ کبھی کوئی بندہ راہ راست پر آ گیا تو الحمدللہ ورنہ اگلے جمعہ پر وہی خطبہ سمع نواز ہوگا۔ یہ کیفیت صدیوں سے جاری ہے اور پورا عالم اسلام فسق و فجور میں مبتلا ہے۔ اعتدال پسند لوگ رسول اللہ ﷺ کی تبلیغی سرگرمیوں میں اصول تدریج کا حوالہ دیتے ہیں۔ ہمیں اس سے اتفاق ہے مگر یہ حوالہ ہمارے نزدیک بحالات موجودہ برمحل نہیں کیونکہ تدریج سے مراد ہر قدم پچھلے قدم سے آگے ہوتا ہے جب کہ یہاں اہل اسلام میں فسق و فجور کا ہر قدم پچھلے سے آگے ہے، اور جو کوئی اس اصول پر قناعت کر گیا ہے۔ دراصل وہ پہلے قدم سے خائف ہے۔ یعنی برائی کو بزور باز و روکنے سے ڈر گیا ہے اور ایمان کی کمزور ترین حالت کو پہنچ چکا ہے اور اگر کوئی سچا مسلمان اپنی حرارتِ ایمانی اور غیرتِ اسلامی کے تحت بزور بازو تو درکنار زبانی ہی کسی بدکار کو بدکاری سے روکے تو اس کا حشر سب کو معلوم ہے۔ لیکن ہم یہ کہیں گے کہ مسلح جدوجہد کی جگہ موجودہ دور میں احتجاجی سیاست نے لے لی

ہے۔ وکلا، سول سوسائٹی، انصاف پسند عوام اور سیاسی جماعتوں نے مل کر جس طرح جسٹس افتخار محمد چوہدری سمیت عدلیہ کو دوبارہ بحال کرایا، اگر یہی چاروں طبقات اسی جذبہ صادق سے کام لیں تو کافرانہ طرز معاشرت اور غیر اسلامی نظام حکومت کی جگہ اسلامی نظام حکومت اور معاشرت کا قیام عین ممکن ہے مگر یہاں ایک فرق ہے کہ یہ چاروں طبقات سرے سے ایسا چاہتے بھی ہیں یا نہیں؟ اور اگر وہ ایسا چاہتے تو اب تک انتخابی سیاست کے ذریعے سے ہی صالحین ایوان اقتدار پر قابض ہوتے اور ملک میں اسلامی نظام حکومت و معاشرت قائم ہو چکا ہوتا۔ یہ چاروں طبقات مشرف اور اس کی حکومت سے نجات چاہتے تھے تو انہوں نے اپنے ووٹ کی طاقت سے ایسا کر دکھایا۔ ہمارا خیال ہے کہ یہ چاروں طبقات صدق دل سے مسلمان ہونے کے باوجود اسلام کو معاشرتی رواج تک ہی محدود رکھنا چاہتے ہیں اور اسے سیاسی طاقت دے کر اپنے اوپر نافذ کرنے پر تیار نہیں ہیں۔ یعنی یہ سچے مسلمان، اسلام کی غلامی قبول کرنے پر تیار نہیں ہیں اور اپنے معاملات زندگی پر اسے حاکم بنانے پر آمادہ نہیں ہیں۔

ہمیں یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ دنیائے اسلام میں ایسے سینکڑوں نہیں لاکھوں لوگ موجود ہیں جو اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اسلامی حیات کا نمونہ ہیں لیکن عدالتی معاملات میں وہ غیر اسلامی قوانین کے تحت چارہ جوئی پر مجبور ہوتے ہیں۔ وہ خود تو کبائر سے مجتنب ہیں مگر کبائر کے مرتکب لوگوں کا گریبان نہیں پکڑ سکتے اور اگر ایسا کریں تو ریاست ان کو ایسا کرنے سے روک دیتی ہے۔ اگر یہ صالحین اور حیات اسلامی پر عملاً کاربند لوگ اپنے اپنے کوئی طاقتور گروپ بنالیں اور طاغوت کے خلاف سینہ سپر ہو جائیں تو بھی وہ معاشرتی دباؤ سے بڑھ کر کوئی قوت استعمال نہیں کر سکتے۔ وہ گروپ اسلامی تعزیرات و حدود کو نافذ نہیں کر سکتے اگر ایسا کرنے کا اقدام کریں گے تو یہ ریاستی عمل داری یعنی حکومت کی رٹ میں دخل اندازی ہوگی اور ریاست، ریاست کے اندر ریاست کے قیام کی اجازت نہیں دے گی اور نہ ہی حکومت کے متوازی کوئی نظام چلانے کی اجازت ملکی آئین دیتا ہے۔ جدید ریاست کا تصور، سراسر مغربی ہے اور اگر سیاست اسلامی ہو تو بھی ایسا کوئی گروپ تعزیرات کا نفاذ کرنے کا مجاز نہیں ہو سکتا۔ اس کا نام طوائف الملوکی ہے۔ اب دیکھنا یہ چاہتے ہیں کہ آیا اسلام ریاست کے شہریوں کو اس وقت خود ہی نفاذ شریعت کرنے کی اجازت دیتا ہے یا نہیں اگر دیتا ہے تو طاغوت جسے ریاستی سرپرستی حاصل ہے اور جسے ریاستی قانون روکتا نہیں ہے۔ اس کے انسداد کا کیا طریقہ ہے۔ یہاں آ کر یہ صورت بنتی ہے۔

ا۔ اگر ہم مفاسد و منکرات کو بزور روکنے کیلئے کوئی گروہ منظم کریں اور فسق و فجور کو مٹانے کیلئے مسلح تصادم کی

راہ اپنائیں اور گلی گلی قتال کریں اور ان لوگوں کی گردنیں مارنا شروع کردیں جو زبان سے اقرار اسلام اور دل سے اس کی تصدیق کرتے ہیں، تو کیا اس کی اجازت اسلام دیتا ہے؟

۲۔ اگر نہیں دیتا تو کیا ہم صرف زبانی تبلیغ پر اکتفا کریں اور اگر طاغوت اتنا سرکش ہو کہ ہم زبانی بھی اس کی مذمت نہ کرسکیں اور دعوت الی الخیر نہ دے سکیں تو کیا پھر دل سے اسے براجان کر اپنی کمزور ترین حالت ایمانی پر رو کر رہ جائیں۔

۳۔ اگر پہلی صورت یعنی فاسقین سے قتال کریں اور اسلام اس کی ہمیں اجازت دے مگر ریاست درمیان میں حائل ہو تو کیا ہمیں خود ریاست کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا چاہیے اور اس سے مسلح تصادم کرنا چاہیے؟ اور اگر اس کے نتیجے میں ایسا خلفشار برپا ہو جائے کہ ریاست کی رٹ ہی ختم ہو جائے اور ہمارے اس اندرونی خلفشار سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کوئی جارح قوت ہم پر چڑھ دوڑے اور ہم سے قومی آزادی ہی چھین لے تو پھر کیا بنے گا؟

۴۔ سندھ اور ملک کے کچھ دیگر علاقوں میں کاروکاری کی رسم رائج ہے اور پنچایت کسی کو کاری کہہ کر قتل کرادیتی ہے۔ کیا لوگ بدکاروں کو خود ہی قتل کیا کریں؟ کیا تاریخ اسلام کے کسی دور میں خود ہی لوگوں نے یہ کام کیا ہے؟

ان سب سوالوں کا جواب ایک ہی ہے کہ مسلم عوام کو نفاذ اسلام کیلئے حکومت پر احتجاجی سیاست کے ذریعے دباؤ ڈالنا چاہیے اور خود قتال سے باز رہنا چاہیے ورنہ معاشرتی سلامتی کے سارے تصورات ملیامیٹ ہو جائیں گے۔ ملک میں فتنہ برپا ہو جائے گا۔ بہت سے فقہائے اسلام کی یہ رائے ہے کہ جائز یا ناجائز طریق پر جب خلافت قائم ہو جائے تو اس کے خلاف خروج کی اجازت نہ ہے کیونکہ خروج کی صورت میں ریاست کو ضعف پہنچے گا۔ ہم نے پیچھے کہا ہے کہ اہل پاکستان نے اپنے جمہوری حقوق کے واسطے طویل تحریکیں چلائیں اور آخر کار آمروں کو چلتا کیا۔ انہوں نے ایسا اس لئے کیا کہ یہ حقوق انہیں عزیز تھے اور عزیز ہیں۔ مشرف نے کیا کیا پاپڑ نہ بیلے لیکن آخر شکست کھائی۔ اسی طرح اگر اہل پاکستان کو اسلامی حیات اور نفاذِ اسلام بھی عزیز ہوتا تو وہ اب تک یقیناً اپنا عزیز مقصد حاصل کر لیتے۔ اسلامی جماعتوں اور تحریکوں نے انتخابی سیاست میں بھرپور حصہ لیا۔ سالہا سال سے عوام کو اپنا ہم نوا بنانے کی زبردست کوشش کی ہے لیکن کسی بھی انتخاب کے نتیجے میں انہیں اقتدار نہ ملا کیونکہ مسلم عوام علمائے اسلام کو صرف امامت تک ہی محدود رکھنے پر مصر ہیں اور اقتدار سیکولر لیڈرشپ کو دیتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ جس طرح کی نیم مسلمانی کے وہ قائل ہیں، اسی طرح نیم مسلمانی کی حامی قیادت کو برسراقتدار رکھنا چاہتے ہیں جو ان پر

اسلام کا قانون نافذ نہ کرے اور اگر اسلامی عبادات وہ کرنا چاہیں تو ان کے راستے میں رکاوٹ بھی نہ ڈالے۔

ہم نے یہ اظہار خیال اس لئے کیا ہے کہ یہ معلوم کیا جائے کہ برائی کو بزور مٹانے اور روکنے کا فریضہ بحالات موجودہ ہم پر عائد ہے یا ساقط ہو چکا ہے جبکہ صرف وعظ و تبلیغ غیر موثر ہو چکی ہے اور مجھے یہ کہنے کی اجازت ضرور دیجئے کہ اگر ہماری اکثریت، کمزور ترین حالات ایمانی کے مطابق، منکر کو واقعی صمیم قلب سے برا خیال کرتی تو یقیناً خود منکر سے مجتنب اور معروف پر کاربند ہوتی اور اگر یہ ہوتا تو منطقی طور پر اکثریت، منکر کی پیروکار اقلیت کو دبا لیتی اور وہ بھی مجبوراً اس خاموش اکثریت کا اتباع کرتی۔ پس معلوم ہوا کہ ہمارے دلوں سے منکر سے نفرت ہی مٹ چکی ہے تو معروف کا حکم کون دے گا۔ میں اس بات کا داعی ہوں نہ قائل کہ گلی کوچوں میں مسلمان قتال شروع کر دیں اور اپنے کلمہ گو مسلمان بھائیوں کی گردنیں ناپنا شروع کر دیں۔ مسلمان پر مسلمان کا مال، آبرو اور جان حرام ہے۔ حضرت حسینؓ مدینہ سے چلے تو اصحاب رسولؐ نے انہیں روکا تھا۔ شاید وہ اسی خیال کے حامی تھے کہ مسلمان، مسلمان کے درمیان جنگ جائز نہیں؟ شاید اسی قتل مسلم کے ناروا ہونے کے تحت، حضرت عثمانؓ نے جان تو دے دی مگر باغیوں کے خلاف تلوار اٹھانے کی اجازت نہ دی کہ وہ مسلمان تھے۔ اگر برائی سے دلی نفرت رکھنے والے کمزور ترین مسلمان ہی کہیں ہوتے تو برائی اور اس کا سب سے بڑا مظہر اور عریانی و فحاشی اور بے حیائی پھیلانے کا سب سے موثر ذریعہ ٹی وی اور ویڈیو، امراء کے محلات اور نانِ شبینہ مانگ کر کھانے والے گداگروں کے گھروں میں یکساں طور پر موجود نہ ہوتا۔ اس سے یہ ثبوت ملتا ہے کہ برائی سے دلی نفرت رکھنے والے کمزور ترین اہل ایمان بھی ناپید ہیں۔ میرے خیال میں برائی کو بزور روکنے سے مراد مسلمانوں کا باہمی قتال نہیں ہوسکتا۔ بحالاتِ موجودہ اس کا طریقہ احتجاجی تحریک ہے مگر ایسی تحاریک میں دانشوروں، وکیلوں، سول سوسائٹی سیاسی جماعتوں اور مسلم عوام کی دلی شمولیت ضروری ہے کیونکہ حالیہ غیر مسلح احتجاجی تحریک نے مشرف سے چھٹکارہ اور عدلیہ کی بحالی دونوں مقاصد حاصل کر لئے ہیں۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا یہ سارے عناصر نفاذ شریعت اسلام کیلئے کوئی تحریک چلانے پر تیار ہو سکتے ہیں تو میرے خیال میں اس کا جواب نفی میں ہے۔ سول سوسائٹی کے معزز ارکان مغربی جمہوریت کے تحت حاصل شدہ حقوق کی واگزاری کیلئے تو مشرف کے خلاف تحریک چلانے پر تیار تھے مگر اسلام کے واسطے وہ سڑکوں پر آنے کو تیار نہ ہوں گے۔ چوہدری اعتزاز احسن، جناب لطیف کھوسہ اور علی احمد کرد اور ان کے ہزاروں رفقاء نے تاریخ پاکستان کی سب سے مشکل جنگ جیت لی ہے مگر وہ یہی زوردار تحریک نفاذ اسلام کے واسطے نہیں چلائیں گے۔ میاں نواز شریف اسلام کے واسطے اپنی جمعیت سڑکوں پر نہ لائیں گے۔ ہاں اگر ساری

اسلامی جماعتیں متفق ہو کر نفاذِ اسلام کے نام پر کوئی تحریک چلائیں۔ مسالک کو بالائے طاق رکھیں اور طویل عرصہ تک احتجاجی تحریک چلائیں تو یہ مقصد حاصل ہو سکتا ہے۔ یہ جماعتیں یہ سمجھیں کہ نفاذ اسلام سے ان کے مسالک پر کوئی زد نہیں پڑے گی۔ اسلامی ریاست جب قیام صلوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ کا فرمان جاری کرے گی۔ زانی کو سنگسار کرے گی۔ شرابی کو سو دُرّے مارے گی۔ چور کا ہاتھ کاٹے گی۔ پردہ لازمی قرار دے گی تو سب مسالک میں ان باتوں پر اتفاق ہے۔ رہا یہ کہ ریاست نماز کے دوران ہاتھ سینے پر، سینے سے نیچے، ناف پر یا نیچے یا کھلا چھوڑنے کا حکم دے گی تو یہ ہوائی کسی دشمن کی اڑائی ہوئی ہے لہٰذا ہماری رائے میں بحالاتِ موجودہ ہم صرف اسی ایک طریقے سے نفاذِ اسلام کا مقصد حاصل کر سکتے ہیں شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ بھی اسی خیال کے حامی تھے کہ خلفاء سے تعاون کر کے ان پر دباؤ بڑھایا جائے اور ان سے خلافِ اسلام شعائر بند کرائے جائیں کیونکہ ان سے اگر اقتدار چھینا گیا تو خانہ جنگی ہوگی، جو اسلام میں جائز نہیں ہے۔ والحمد لله رب العالمين

مرکزی جامع مسجد اہل حدیث موضع خورد (جہلم) میں سیرت النبی ﷺ کانفرنس

مورخہ 14 مارچ بروز ہفتہ مرکزی جامع مسجد اہل حدیث موضع خورد میں چوتھی سالانہ سیرت النبی ﷺ کانفرنس منعقد ہوئی۔ جس میں مہمان خصوصی محمود مرزا جہلمی تھے۔ کانفرنس سے مقرر شیریں بیان حضرت مولانا قاری محمد حنیف ربانی اور حضرت مولانا عبدالباسط شیخوپوری نے خطاب کیا۔ مداحِ رسولؐ جناب عبدالوہاب صدیقی نے نعتیہ کلام پیش کیا۔ آخر میں مولانا قطب شاہ کے دعائیہ کلمات سے یہ کانفرنس تکمیل پذیر ہوئی۔

جامع مسجد مبارک اہل حدیث مشین محلہ نمبر 3 میں جلسہ سیرت النبی ﷺ

مورخہ 18 اپریل بروز ہفتہ جامع مسجد مبارک اہل حدیث مشین محلہ نمبر 3 میں زیر صدارت رئیس الجامعہ حافظ عبدالحمید عامر جلسہ سیرت النبی ﷺ ہوا۔ جس میں مہمانِ خصوصی محمود مرزا جہلمی تھے۔ اسٹیج سیکرٹری کے فرائض مولانا قطب شاہ نے سرانجام دیئے۔ پروگرام کا آغاز قاری سید مہتاب الرحمٰن شاہ خطیب مسجد ہذا کی تلاوت سے ہوا۔ جلسہ سے حضرت مولانا قاری عبدالرحیم ساجد خطیب سرگودھا، مولانا فاضل ربانی اور مولانا نذیر احمد مدنی نے خطاب کیا۔ قاری عبدالوہاب صدیقی نے نعتیہ کلام پیش کیا۔ رئیس الجامعہ حافظ عبدالحمید عامر کے دعائیہ کلمات سے یہ جلسہ اختتام پذیر ہوا۔

بسم اللہ ٹریڈرز گلی رنگریزاں نزد ریور روڈ جہلم کا افتتاح

رشید سنز تحصیل روڈ جہلم کے پروپرائیٹر محمد شکیل سیٹھی کے بہنوئی شیخ مسعود احمد اور ان کے بیٹوں مبشر احمد اور صہیب احمد نے بسم اللہ ٹریڈرز کے نام سے گلی رنگ ریزاں نزد ریور روڈ جہلم میں جوس وغیرہ کا کام شروع کیا ہے۔ اس دکان کا افتتاح مورخہ 25 اپریل بروز ہفتہ کو رئیس الجامعہ حافظ عبدالحمید عامر کے درسِ قرآن سے ہوا۔ جس میں کامیاب اسلامی تجارت کے اہم اصول بیان کئے گئے۔ اس پروگرام میں ان کے دوست، احباب اور کاروباری لوگوں نے شرکت کی۔ آخر میں دعائے خیر سے پروگرام اختتام پذیر ہوا۔